عصر حاضر میں حدیث کی عدم حجیت کی فکر: تناظر و محرکات

Thoughts on the Non-Argument of Hadith in Modern Times: Perspectives and Motives

Dr. Zuha Qaisar[1]

The issue of the authenticity of the hadiths is one of the most important issues of the present age. But now this thought has spread beyond this particular circle and is spreading more than ever in various forms. Therefore, this topic is debatable so that its all aspects can be examined. Many books and articles have been written on the issue of authenticity of hadith in which the authenticity of hadiths have been proved in general, in which the historical transparency of this collection and its importance as a source has been highlighted. But the causes and motives of this thought have not been examined in detail in them. This article covers some of them and focuses on the following questions related to this issue, like why were attempts made to make the collection of Hadith Mubarak suspicious? What is the role of modern liberal values and dominant civilization in influencing this fitna?

Key Words: *authenticity, hadith, modern liberal values, Hadith sources*.

حدیث کی عدم حجیت کی فکر: تاریخی تناظر

احادیث مبارکہ کی حجیت کا مسئلہ مسلم دنیا میں نیا نہیں ہے۔ صدرِ اسلام میں بھی چند ایسے گروہ اور فرقے سامنے آئے تھے جنہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ ہمارے لیے صرف قرآن کریم حجت ہے۔ مگر یہ گروہ مسلمان معاشرے کے اندر اپنی جگہ نہیں بنا سکے اور تاریخی و علمی لحاظ سے انہیں کوئی معتبر مقام حاصل نہ ہو سکا۔ یوں شریعت کا دوسرا ستون اور مصدرِ ثانی حجیت کے اعتبار سے ہمیشہ مستند سمجھا جاتا رہا۔

فتنہ انکارِ حدیث یا حدیث کی عدم حجیت کی فکر کے اولین حاملین دوسری صدی ہجری میں سامنے آئے تھے۔ اس سے قبل ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس بابت سب سے پہلے سوال اٹھانے والے خوارج و معتزلہ تھے۔ مولانا ولی حسن ٹونکی لکھتے ہیں:

> ”انکارِ حدیث کے فتنہ کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی تھی۔ کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس بات پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے اور اسی نکارِ حدیث کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار کر دیا تھا کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور احادیث کو نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے خوارج کی تکفیر ہی اس رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے۔“[2]

---

[1]. Visiting Faculty Member Department of Islamic Studies, BZU,Multan

[2]۔ ٹونکی، ولی حسن، مفتی، عظیم فتنہ (کراچی، البلاغ پبلیکیشنز، 1984ء) ص:22۔

Tounki, Wali Hassan, Muftī, Azīm Fitnah (Karachi,Al-Balagh Publications, 1984) p.22.

مولانا ابوالاعلی مودودی رقمطراز ہیں:

> ”خوارج اور معتزلہ نے اسلام کی حقانیت کو مشکوک بنانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا اس کے دو حربے تھے: ایک یہ کہ حدیث کے بارے میں یہ شک دلوں میں ڈالا جائے کہ وہ فی الواقع حضور ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اصولی سوال اٹھا دیا جائے کہ کوئی قول یا فعل حضور ﷺ کا ہو بھی تو ہم اس کی اطاعت واتباع کے کب پابند ہیں؟ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک قرآن پہنچانے کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ سو انہوں نے وہ پہنچا دیا۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ (ﷺ) ویسے ہی ایک انسان تھے جیسے ہم ہیں، انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ ہمارے لیے حجت کیسے ہو سکتا ہے؟“[1]

اس کے فتنے کے حاملین اگرچہ عباسی عہد کے وسط تک کہیں نہ کہیں موجود رہے لیکن ان کو کسی بھی سطح پر ایسی پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی جو مسلم معاشرے پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ بلکہ دوسری صدی ہجری کے بعد مسلم سماج میں احادیث مبارکہ کو حفظ کرنے اور اصول حدیث پر کام میں زیادہ رغبت دیکھنے میں آئی۔ محدثین کرام کو جو مقام حاصل ہوا وہ کسی اور علمی حلقے کو نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نوع کے افکار مسلم امت میں پوری ایک دہائی تک دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ کسی بھی مسلم خطے میں ایک ہزار سال تک ایسی کوئی فکر سامنے نہیں آئی۔ اس فتنے کا دوبارہ جنم استعمار کے عہد میں سرزمین مصر پر ہوا۔ ڈاکٹر مصطفی السباعی نے اپنی کتاب ”السنہ ومکانتہا“ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ کیسے مغربی تہذیب کے دلدادہ کچھ نام نہاد مفکرین نے حدیث مبارکہ کے ذخیرے کو بے وقعت ثابت کرنے کی کوششیں کیں۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ امام محمد عبدہ کے نامور شاگرد اور تفسیر المنار کے مصنف شیخ رشید رضا مصری بھی اگرچہ حدیث کی صحت کا انکار تو نہیں کرتے تھے لیکن اس کی اجتہاد و تشریع میں اس کی بطور ماخذ حجیت کے بارے میں جمہور اہل علم کے خلاف رائے رکھتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنے رسالے میں توفیق صدقی کے دو ایسے مضامین بھی شائع کیے تھے جن میں اس نے دعوی کیا کہ ”صرف قرآن ہی اسلام ہے۔“[2]

مصر کے بعد اس فکر کی بازگشت برصغیر میں سنائی دی۔ بلاشبہ، جدید عہد میں فتنہ انکار حدیث یا حدیث کی حجیت پر سوال اٹھانے کی فکر کا اہم اور بڑا مرکز برصغیر کی سرزمین ثابت ہوئی۔ یہ فکر پاکستان بننے کے بعد بھی آب وتاب کے ساتھ یہاں موجود رہی۔ اگرچہ اس کو سماج میں بڑی مقبولیت تو نہیں مل سکی لیکن یہ اب بھی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔

برصغیر میں اس فکر کی ابتداء مرزا غلام احمد قادیانی نے رکھی۔ اس کے بعد سر سید احمد خان نے دعوی کیا کہ شریعت کا ماخذ صرف قرآن ہے، وہ حدیث، اجماع اور قیاس کو اصولِ دین کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے جدید علم الکلام کی مباحث میں اسلام کا حقیقی مصداق صرف

---

[1] ۔ مودودی، ابوالاعلی، سید، سنت کی آئینی حیثیت (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1990ء) ص: 12۔

Moudūdī, Syed Abul A'ala, Sunnat kī Āīnī Haisiat (Lahore, Islamic Publications,1990) p.12

[2] ۔ مصطفی السباعی، السنۃ ومکانتہا (القاہرہ، مکتبہ الخانجی، 2003ء) ص: 61۔

Mustafā As-Sabā'ī, Al-Sunnah wa Makānatuhā (Cairo, Maktaba Al-Khanji, 2003) p.61

قرآن کریم کو قرار دیا اور باقی تینوں مآخذ کو بشمول مجموعہ حدیث رد کر دیا تھا۔ اگرچہ سر سید کی فکر کو بھی سماجی سطح پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن فکری لحاظ سے ان کے پیروکاروں کا ایک سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ان میں چند مشہور نام یہ ہیں:

مولوی چراغ علی، سید امیر علی، اسلم جیراج پوری، محمد علی لاہوری، غلام احمد پرویز۔[1]

اسلم جیراج پوری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> ”یہ قرآن واضح صاف اور روشن ہے۔ اپنی مقاصد کا خود ہی شارح ہے اس کو سمجھنے کے لئے کسی اور روشنی کی کوئی ضرورت باقی نہیں ہے۔“[2]

غلام احمد پرویز نے اس فکر کو بام عروج تک پہنچایا۔ وہ کہتے ہیں:

> ”اللہ تعالی نے حضورؐ کی نبوی حیثیت اور بشری حیثیت میں واضح فرق بیان کیا ہے۔ نبی کی حیثیت سے آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی جس میں آپؐ کی مرضی یا خواہش کو دخل نہیں تھا۔ مگر اس کے بعد آپؐ جو کچھ بھی فرماتے تھے یا جو بھی فیصلے کرتے تھے وہ بشری حیثیت سے کرتے تھے. جن میں اجتہادی بھول چوک کا امکان رہتا تھا۔“[3]

دینی مآخذ و علوم میں شبہات کی تہذیبی اساس

جدید تہذیب اپنی اساس میں اس نظریے پر قائم ہوئی کہ مذاہب اور ان کے علوم و مآخذ میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے جائیں اور ان کی جگہ مادیت کے نظریے کو قابل قبول بنایا جائے۔ مسلم دنیا میں نوآبادیاتی دور کے تلخ تجربے اور اس کے ساتھ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد مسلم دنیا میں مذہبی حیثیت اور سماجی اقدار کی بحث مسلسل جاری رہنے لگی جواب تک نظری لحاظ سے مختلف انحرافات کی شکلوں میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ اور جو چیز اس حوالے سے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ فکری مباحث کا دائرہ زیادہ تر مذہبی امور اور دینی علوم کی حیثیت کے گرد گھومتا رہتا ہے کہ آیا وہ تاریخی و استنادی لحاظ سے مشکوک ہیں یا نہیں؟ چارلس کرزمان اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”جدید تہذیب میں مذاہب کی تاریخی حیثیت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء سیکولرزم کے نظریے کے فروغ کے ساتھ یورپ میں ہوئی۔ وہاں کی تنویری فکر نے مسیحیت کا نام تو باقی رکھا لیکن اس کی تعلیمات اور اس کی تاریخی حیثیت کو بے اثر و بے جان بنا دیا۔ وہی منہج جو مسیحیت کو بے اثر کرنے کے لیے یورپ میں اٹھارویں صدی میں آزمایا گیا وہی اسلام پر بھی آزمانے کی کوشش کی گی۔ مستشرقین نے مذہبی علوم کی تاریخی اہمیت کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ہمنوائی میں مسلم سماج سے کچھ مفکرین نے بھی وہی باتیں کیں اور انہیں مستند بنانے کی سعی ہوئی۔“[4]

---

[1] ۔ فیض احمد ککروی، مقام حدیث مع ازالہ شبہات (ملتان، مکتبہ افکار اسلامی، 2014ء)43

Faiz Ahmad Kakkravī, Maqām-i-Hadith ma Izālah Shubhāt (Multan, Maktabah Afkār Islami, 2014) p.43

[2] ۔ عبد الغنی عبد الخالق، حجیت سنت (لاہور، مکتبہ اسلامیہ، 2016ء)52

Abdul Ghani Abdul Khaliq, Hujihyyat -i-Sunnat (Lahore, Maktabah, Islamia, 2016) p. 52

[3] ۔ ایضاً، ص:53 Ibid, p.53

[4]. Kurzman, Charles, *Liberal Islam: Not a Contradiction in Terms, ISIM Newsletter* 2, No.1 (1999) P.41

اسی کا شاخسانہ حدیث مبارکہ کی حجیت پر سوال اٹھانا بھی ہے۔ حالانکہ مسیحیت کے تجربے اور اسلامی علمی ورثے کی نوعیت کے مابین بہت زیادہ فرق ہے۔ مسیحیت کی تعلیمات، اس وقت اصلی والی نہیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تاریخ اور وحی کے اجتماع کا نام ہے۔ جبکہ اس کے برعکس دینِ اسلام کی روایات بالکل خالص ہیں کیونکہ اس کے متون میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہے، وہ وحی ہی ہیں۔ دوسرا یہ کہ مسیحی روایات میں اجتہاد کا عنصر نہیں ہے۔

گویا مذہب کو پہلا چیلنج یورپ میں پیش آیا جہاں مسیحیت کی بالادستی کو مسترد کر دیا گیا، اس کی بجائے عقل پرستی نے لے لی اور مذہبی علوم و مآخذ میں شکوک پیدا کر دیے گئے۔ جب سائنس، تجرباتی علوم اور فلسفہ کے شعبوں میں انسانوں کی دلچسپی بڑھنے لگی، صنعتی دور کی بنیاد پڑنے لگی تو یورپ میں یہ محسوس کیا گیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ انسانوں کو مذہب سے رہنمائی کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ بلکہ سمجھا جانے لگا کہ مذہب انسانی ترقی میں ایک رکاوٹ کے طور پہ سامنے آنے لگا ہے۔[1]

جب مسیحی طبقے نے سائنس و فلسفے کے علماء کے خلاف محاذ کھول دیا اور علوم پر زبردستی قدغن عائد کرنا چاہی تو سخت مزاحمت کی گئی اور نتیجتاً آہستہ آہستہ مذہب کو سماجی و سیاسی منظرنامے سے بے دخل کر دیا گیا اور اس تاثر کو ایک ناقابل تردید حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا کہ مذہب اور اس کے مآخذ مشکوک ہیں اور یہ انسانی عقل کو ماند کرنے والے ہیں۔ اس نئے نظریے کو سیکولرزم کہا گیا۔

عصر حاضر میں مسلم سماج سے مذہبی حیثیت کو بے وقعت کرنے کے لیے شریعت کو مکمل طور پہ غلط نہیں کہا گیا کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ مسلمان اس فکر کو قبول کریں، بلکہ شریعت کے بعض مآخذ کو کٹہرے میں لایا گیا تاکہ جس طرح یورپی سماج میں مسیحیت کے وژن کو فروغ دیا گیا۔ اسی طرح مسلمان معاشروں میں نئے 'اسلام' کے وژن کو متعارف کرایا جاسکے جس میں شرعی احکامات کی توڑ مروڑ آسان ہو۔ مذہب کے اس وژن کو 'سکوتی شریعت'[2] کا نام دیا جاتا ہے جس میں اجتہاد انسانی عقل اور مادی ضروریات و تقاضوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کے اہم ترین علمی مآخذ کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کے لیے جنم لینے والے پے در پے متجددین و گروہوں کو دیکھ کر مغربی مستشرق فرانسسکو گبرائیلی کی یہ خواہش سچ ہوتی محسوس ہوتی ہے جس میں وہ کہتا ہے:

> ”جو چیز ہمارے لیے باعث اطمینان اور خوش کن ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ مشرق میں کچھ ایسے لوگ موجود ہوں جو ہماری طرح سوچتے ہوں۔ وہ تاریخی امور کے متعلق زیادہ حساسیت نہ رکھتے ہوں اور ان کی استشراقی تحلیل کرنے پر قادر ہوں۔ مستقبل قریب میں یہ بدیہی طور پہ ممکن ہوگا کہ مشرق میں علم، تحقیق اور جستجو کا سفر تیز تر اور شفاف تر نظر آئے گا۔“[3]

---

[1] . Masūd,Muhammad Khalid,*Religion and State Are Twin Brothers: Classical Muslim Political Theory*, Islam And Civilisational Renewal 274, No.6071(2018) p.1-18

[2] Koskenniemi, Martti.*International Law and Hegemony: A Reconfiguration. Cambridge Review of International Affairs* 17, No. 2 (2004) P.197-218

[3] فرانسسکو گیبریلی، الاستشراق بین دعامیہ و معارضیہ، مترجم: ہاشم صالح (اسکندریہ، دار انماء، 2004ء) ص: 13

Fransisco Gebrili, Al-Istishrāq Bain Duāmiah wa Muāriziah, Translation: Hashim Salih (Iskandria, Dar Inma, 2004) p.13

جمہور علماء اور حدیث کی جزوی عدم حجیت

حدیث مبارکہ میں عدم حجیت کی جو شکل اس مقالے میں زیر بحث ہے وہ اس کی ایسی کلی صورت ہے جس میں مطلقاً اس ذخیرے کو غیر معتبر خیال کیا جاتا ہے، یا اس کو کلی طور پہ ماخذ تسلیم نہیں کیا جاتا۔

جمہور علماء سے وابستگی رکھنے والے حلقے میں حدیث کی عدم حجیت کی جزوی شکل موجود ہے، وہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ ثانی الذکر کی ایک صورت یہ ہے کہ حدیث کی بعض قسموں کو تو حجت تسلیم کیا جائے جبکہ بعض کو یہ حیثیت نہ دی جائے۔ جیسا کہ بعض علماء خبر واحد کو حجت نہیں مانتے، یہ رائے قدیم مسلم روایت کا حصہ بھی ہے اور آج بھی بعض علماء اس کے قائل ہیں۔ یا پھر اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انفرادی طور پہ بعض مخصوص احادیث کو بوجوہ مسترد کر دیا جائے۔ جمہور علماء سے وابستگی رکھنے والے ان علماء کے ایسے انفرادی عمل میں بنیادی طور پہ حدیث کا انکار نہیں کیا جاتا یا اس کے موضوع پر اعتراض نہیں کیا جاتا بلکہ، ایسی روایات کی صحت پر شبہ مراد ہوتا ہے۔ یہ علمی اختلافات ہوتے ہیں جن میں عموماً کسی عصری شبہ کا ازالہ یا اس کا جواب مقصود ہوتا ہے۔

احادیث مبارکہ کی حجیت پر جزوی طور پہ اعتراض وارد کرنے والوں میں ایسے علماء بھی شامل ہیں جو جمہور اسلاف کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں، لیکن بعض احادیث کو بوجوہ تسلیم نہیں کرتے۔ مثال کے طور پہ بعض علماء حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کے زواج مبارک کی چند روایات کو عقلی بنیاد پر رد کرتے ہیں جن میں اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی عمر کی تحدید پر اختلاف کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض علماء امت کے 73 فرقوں میں تقسیم ہونے اور ان میں سے ایک فرقے کے جنتی ہونے والی روایت کو تسلیم نہیں کرتے، ان کا استدلال ہے کہ اس سے امت کے گروہ ایک دوسرے پر ضلالت کا دعوی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے بھی نے اپنی کتاب اس حوالے سے یہی موقف پیش کیا ہے[1]۔ ایسے ہی بعض علماء اس روایت کو بھی تسلیم نہیں کرتے جس میں نبوت سے قبل ایک سفر کے دوران آپ ﷺ کی بحیری راہب کے ساتھ ملاقات کا بیان ملتا ہے۔ اس حدیث کی بنیاد پر مستشرقین نے یہ اعتراضات وارد کیے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ادیان سابقہ کے راہبوں سے علم حاصل کیا تھا۔[2]

یہ حضرات بعض اسلاف علماء کے ان اقوال کو سند کے طور پہ پیش کرتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ عقلی طور پہ مستحیل اور اسلامی اصولوں سے متصادم اخبار و روایات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پہ ابن قتیبہ الدینوری کی یہ عبارت جس میں وہ کہتے ہیں:

> **"الا ترى لو انه اجتمع خلق من الشقات فاخبروا ان الجمل دخل فى سم الخياط لما نفعتنا ثقتهم، ولا اثرت فى خبرهم، لانهم اخبروا بمستحيل، فكل حديث يخالف المعقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع، فلاتتكلف فى اعتباره۔"** [3]

---

[1] ڈاکٹر یوسف قرضاوی، الصحوہ الاسلامیہ (دوحہ، دار الوفاء، 1994ء) ص:55

Dr. Yūsuf Qardāvi, Al-Sahwa al-Islamiah (Doha, Dār Al-Wafā,1994) p.55

[2] اکرم ضیاء العمری، السیرہ النبویہ الصحیحہ (دوحہ، مرکز بحوث السنہ، 2001ء) 106/1

Akram Zia Al-Umrī, As-Sīrah An-Nabawiyyah As-Sahīhah (Doha, Markaz Buhūs al-Sunnah,2001)106/1

[3] ابن الجوزی، عبد الرحمان، الموضوعات (عمان، المکتبہ السلفیہ، 1966ء) ص:110

> ”اگر آپ ثقات رواۃ کے ایک جمع غفیر کو دیکھیں جو یہ دعوی کرے کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو گیا ہے تو ان کی ثقاہت ہمیں فائدہ نہیں دے گی اور نہ یہ ان کی خبر کو مؤثر بنائے گی۔ کیونکہ انہوں نے ایک مستحیل امر کی خبر دی ہے۔ پس ہر ایسی حدیث جو عقل کے منافی ہو یا اصول کے منافی ہو وہ موضوع کہلائے گی، پس ایسی خبر پہ اعتماد کا تکلف نہ کرو۔“

جمہور علماء کے ہاں پایا جانے والا یہ انفرادی رویہ خالصتاً علمی ہوتا ہے۔ اس میں احادیث مبارکہ کے متعلق مکمل احترام موجود ہوتا ہے اور مقصد اپنی علمی و تحقیقی رائے کا اظہار ہوتا ہے۔

حدیث کی عدم حجیت کی فکر اور اس کے محرکات

ذیل میں حدیث کی عدم حجیت یا احادیث کو رد کرنے کے حاملین کی جانب سے اپنائے گئے شبہات کی بنیاد پر سامنے آنے والے اسباب و محرکات کو بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ استعماری و استشراقی عناصر کا اثر

علمی و فکری دنیا میں غالب تہذیب کا اثر ایک ایسا عنصر ہے جس کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ احادیث مبارکہ کے متعلق عدم حجیت کی فکر کا ظہور دوسری صدی ہجری کے بعد دوبارہ ایک ہزار سال کے وقفے کے بعد استعمار کے عہد میں ہوا۔ اسی عہد میں ہی استشراقی علوم بھی زور شور سے سامنے آئے جن میں مذہب کی حقانیت اور مذہبی علوم کی ٹحت کا وہی پیمانہ اختیار کیا گیا جو مسیحیت کو زیر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ حالانکہ مسیحیت اور اسلام کے مابین تاریخی و علمی لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لیکن ایک غالب تہذیب ہونے کے ناطے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اسلام کے علمی مآخذ مشکوک ہیں[1]، کم از کم انہیں شرعی مسائل میں اجتہاد کے لیے حجت نہیں بنایا جاسکتا۔ اس فکر سے کئی مسلم دانشور متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی اس فکر کے فروغ کے لیے کام کیا۔

۲۔ رُواۃ کی جرح و تعدیل کے سبب

مستشرقین اور احادیث مبارکہ کے ذخیرے پر اعتراضات و شکوک کا اظہار کرنے والے حضرات عموماً احادیث کی روایت کے حوالے سے اسلاف کے ہاں پائی جانے والی جرح و تعدیل کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہت سارے راوی تاریخ ایسے گزرے ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا گیا۔ بعض عہود میں کچھ فرقوں نے احادیث وضع بھی کی تھیں۔ اس لیے احادیث کے ذخیرے قابل اعتماد نہیں سمجھا جاسکتا، یا کم از کم اسے مآخذ نہیں بنایا جاسکتا۔ ان عناصر کا یہ اعتراض سطحی ہے۔ اس کے جواب میں علماء کرام نے باقاعدہ کتب تصنیف کی ہیں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ کس طرح مسلم معاشروں میں محدثین کرام نے جرح و تعدیل کے فن کے ذریعے احادیث کے ذخیرے کو ملاوٹ سے پاک بنایا۔

Ibn Al-Jouzī, Abdul Rahman, Al-Mouzūāt (Oman, Al-Maktabah As-Salfiah,1966) p.110

[1] محمد طاہر، السنہ فی مواجھۃ الا باطیل (القاہرہ، مرکز بحوث الاسلام، 2014ء) ص: 88

Muhammad Tahir, Al-Sunnah fi Mawājihat Al-Abātīl (Cairo, Markaz Buhūs Al-Islam, 2014) p.88

۳۔ عصری تحقیقات یا طبّی آراء کی بنیاد پر

احادیث مبارکہ کے بارے میں شبہات پیدا کرنے والے حلقے عام طور پہ چند ایسی روایات کو پیش کرتے ہیں جن میں وارد ہونے والی بات کا کسی عصری تحقیق سے ثبوت نہیں ملتا یا ان کے مابین تضاد ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال حدیث ذبابہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ″اذا وقع الذباب فى اناء احدكم فليغمسه كله ثم ليطرحه فان فى احد جناحيه شفاء وفى الآخر داء۔"[1]

> "جب تم میں سے کسی ایک برتن میں مکھی گر جائے تو وہ اس کو پورا بھگو دے اور پھر باہر پھینک دے، اس کے ایک پر شفاء اور دوسرے پر میں بیماری ہوتی ہے۔"

یہ حدیث صحاح ستہ سمیت کئی کتبِ حدیث میں پچاس سے زائد طرق کے ساتھ وارد ہوئی ہے اور اس کی صحت پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ البتہ عصر حاضر میں اس حدیث کو بنیاد پر کئی مستشرقین اور دیگر افراد نے اعتراضات کیے کہ احادیث میں اس طرح کی باتیں موجود ہیں جن کی تائید آج کی ریسرچ سے نہیں ہوتی۔ اس حدیث کے ضمن میں بھی یہی باتیں کی گئی کہ مکھیاں تو جراثیم منتقل کرتی ہیں، ان کے پروں میں شفاء کیسے ہو سکتی ہے۔ لیکن بعض علماء نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے اور اس پر کتب تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے ایک خلیل ابراہیم ہیں جنہوں نے یہ کتاب لکھی: "الاصابہ فی حدیث الذبابہ" انہوں نے اس کتاب میں حدیث کی فقہی اور طبّی اعتبار سے صحت کی جانچ پرکھ کی ہے اور حدیث کے متن کو درست قرار دیا ہے۔ انہوں نے چند مسلم و غیر مسلم اطباء کے اقوال بھی نقل کیے ہیں جن میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ مکھی کے اندر شفاء کا عنصر موجود ہوتا ہے۔

۴۔ سیاست و معاشرت کی جدید اقدار سے اختلاف کی وجہ سے

جدید لبرل تہذیب نے اپنی پیش کردہ اقدار کو دنیا میں اس طرح متعارف کرایا ہے کہ ان سے اختلاف رکھنا ایک نامعقول امر سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسی فضا قائم کی گئی ہے جس میں درست وہی ہے جو جدید لبرل اقدار میں درست ہوگا۔ اسی کا شاخسانہ عورت کی مساوی حیثیت کے بارے میں آراء بھی ہیں۔ عصری تہذیب میں عورت کو مرد کے برابر قرار دیا جاتا ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ یہ فکر اس طور مسلم معاشروں میں بھی راسخ کی گئی ہے کہ اگر کوئی اس سے اتفاق نہیں کرتا تو وہ انتہا پسند اور قدامت پسند خیال کیا جاتا ہے۔ اس نوع کے بعض لبرل عصری افکار کی بنیاد پر احادیث مبارکہ پر بھی طعن کیا جاتا ہے اور اسلام کو قدامت پسند فکر کا حامل قرار دے کر اس پہ اعتراض کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسی بعض احادیث جو لبرل سیاسی و سماجی اقدار سے ہم آہنگ نہیں ہیں ان میں سے ایک عورت کی حکومت والی حدیث بھی شامل ہے جس میں کہا گیا ہے:

---

[1]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطب، بیروت: دار الشروق، 1975ء۔

Bukhari, Muhammad bin Ismail, Al-Jāme Al-Sahīh, Kitāb Al-Tibb, Beirut: Dar ul Shurūq, 1975.

"لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ۔"[1]

"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس پر عورت حکمران ہو۔"

ایک اور حدیث جس پر مستشرقین نے اعتراضات کیے وہ یہ ہے:

"ھن ناقصات عقل ودین۔" [2]

"عورتیں عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں۔"

اسی طرح ارتداد کی احادیث[3] کو بھی نشانہ بنایا جاتا ہے اور کلی طور پہ احادیث کو مشکوک کہا جاتا ہے یا ان کی حجیت کو کمزور بتایا جاتا ہے۔

۵۔ ادیان سابقہ کی روایات سے مماثلت کے سبب

مستشرقین اور احادیث میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے عناصر احادیث کے ذخیرے پر اس اعتراض کے سبب بھی طعن کرتے ہیں کہ ان روایات میں کئی ایسی ہیں جو اسرائیلی ہیں یا دیگر ادیان کی کتب میں پہلے سے موجود ہیں۔ ان کے مطابق یہ مماثلت بتاتی ہے کہ احادیث مبارکہ خالص نہیں ہیں، بلکہ ان میں ملاوٹ کی گئی ہے۔ دیگر ادیان سماویہ کی روایات کو اسلام کا حصہ بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ بہت سارے لوگوں نے امام مہدی کی روایات پر یہ شبہات اٹھائے کہ مسیحا کی آمد کا ذکر یہود و نصاری کے ہاں بھی موجود ہے اس سے بعض لوگوں نے متاثر ہو کر اسلام میں بھی ایسی روایات شامل کر دیں۔ ایسے شبہات کا جواب بھی علماء کرام نے تفصیلی کتب لکھ کر دیا ہے۔

نتائج و حاصلات بحث:

چنانچہ اس موضوع پر ممکن حد تک بحث کرنے کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ احادیث مبارکہ کے ذخیرے کی صحت کو مشکوک قرار دینے والے اور کلی طور پہ اس کی بطور ماخذ عدم حجیت کے قائلین کے مابین مقاصد و مآل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ احادیث مبارکہ کی عدم حجیت کے قائلین کے زیادہ تر شطحات قلم وہی ہیں جو مستشرقین نے بیان کیے ہیں۔

۳۔ احادیث مبارکہ کی عدم حجیت کی فکر کے فروغ کے اعتبار سے عصر حاضر میں برصغیر ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

۴۔ احادیث مبارکہ کی حجیت کے مسئلہ میں جمہور علماء سے وابستگی رکھنے والے بعض علماء کے جزوی اختلافات علمی نوعیت کے ہیں۔

۵۔ احادیث مبارکہ کی عدم حجیت کی فکر کے اسباب و محرکات مجموعی طور پہ ٹھوس، جامع اور علمی نوعیت کے نہیں ہیں، بلکہ وہ اسلامی تہذیب کی بنیاد کو متاثر کرنے کی سطحی کوششیں ہیں۔

---

[1] ۔ بخاری، الجامع الصحیح، 125/3

Bukhari, AlJāme Al-Sahīh, 125/3

[2] ۔ ایضاً، 400/3

Ibid, 400/3

[3] ۔ ایضاً، 282/6

Ibid, 282/6